آخرت میں بھی نعمت سے بہرہ مند کر، نیز ہمیں دوزخ سے بھی محفوظ رکھ۔

کائنات کے متعلق قرآن کے اولیات میں یہ بھی سرفہرست ہے اور لائق صد ستائش ہے کہ اس نے جس منہاج فکری کی نشاندہی کی، وہ استقرائی ہے، حالانکہ اس دور میں لوگ اس کی اہمیت سے قطعی آشنا نہ تھے۔ سورہ بقرہ میں ہے:

ان فی خلق السموت والارض واختلاف الیل والنهار والفلک التی تجری فی البحر بماینفع الناس وما انزل الله من السماء من ماء فاحیا به الارض بعد موتها وبث فیها من کل دابة وتصریف الریح والسحاب المسخر بین السماء والارض لایت لقوم یعقلون ۔ (البقرہ:۱۶۴)

بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں، اور رات اور دن کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے میں، اور کشتیوں اور جہازوں میں جو دریا میں لوگوں کے فائدے کی چیزیں لے کر رواں ہیں اور مینہ میں جس کو خدا آسمان سے برساتا اور اس سے زمین کو مرنے کے بعد زندگی عطا کرتا ہے، اور زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلانے میں اور بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان گھرے رہتے ہیں، عقل مندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

سورہ یونس میں ہے:

قل انظروا ماذا فی السموت والارض (یونس:۱۰۱)

ان سے کہہ دیجیے کہ دیکھو تو آسمانوں اور زمین میں کیا کچھ ہے۔

سورہ آل عمران میں مومنین کے کوائف واحوال کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

الذین یذکرون الله قیما وقعودا وعلی جنوبهم ویتفکرون فی خلق السموت والارض (آل عمران:۱۹۱)

جو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے، ہر حالت میں خدا کو یاد کرتے اور آسمان اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے رہیں۔

یہی وہ منہاج فکری تھا، جس کو اساس قرار دے کر کندی، جابر بن حیان، ابوزکریا رازی اور ابن خلدون ایسے مسلمان حکماء نے فکر ونظر اور تجربہ ومشاہدہ کے عظیم الشان ایوان تعمیر کیے اور اسی منہاج کو اپنا کر مغرب نے سائنس میں ترقی کی۔

سیدنا لوط علیہ السلام کی مختصر سرگزشت

مولانا عبدالکریم اثری

صاحب تفسیر عروۃ الوثقی

لوط علیہ السلام سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے برادر زادہ ہیں جس کو ہماری زبان میں بھتیجا کہتے ہیں۔ لوط علیہ السلام کے والد کا نام ہارون تھا۔ لوط علیہ السلام کا بچپن سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ گزرا ہے اور ان کی صحیح معنوں میں نشو ونما ابراہیم علیہ السلام ہی کی آغوش تربیت کی رہین منت ہے۔ بالکل اسی طرح کے حالات محمد رسول اللہ ﷺ اور علیؓ کے ہیں۔ فرق ہے تو یہ کہ لوط علیہ السلام مستقل نبی بنائے گئے تھے اور یہ بھی کہ لوط علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کے داماد نہیں تھے اور علی محمد رسول اللہ ﷺ کے داماد تھے اور چونکہ محمد رسول اللہ ﷺ خاتم الانبیاء تھے آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی ہو ہی نہیں سکتا تھا اس لئے علیؓ کو علی علیہ السلام کہنا مناسب نہیں ہے کیونکہ "علیہ السلام" کا جملہ رسل عظام اور انبیائے کرام کیلئے طے پا گیا ہے اور اس طرح صحابہ کرامؓ کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ کے الفاظ پڑھے اور لکھے جاتے ہیں کسی غیر صحابی کیلئے یہ الفاظ مناسب نہیں کہ اس میں صحابی ہونے کا اشتباہ ہے اور صحابہ کرامؓ کے بعد سارے اولیائے امت اور نیک وصلحا کیلئے "رحمہ اللہ علیہ" کے الفاظ کہنا مناسب اور ان کے درجہ عزت ووجاہت ہیں۔

لوط علیہ السلام اور سیدہ سارہ رضی اللہ عنہا جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی بیوی تھیں ساری ہجرتوں میں ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ رہے تھے اس لئے وہ ملت ابراہیمی کے پہلے مسلم اور "السابقون الاولون" میں شامل ہیں اور بالکل یہی شرف سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بھی حاصل ہے جو ہمارے نبی کریم ﷺ کی سب سے پہلی شریک حیات تھیں۔

تورات کے بیان کے مطابق مصر کے قیام میں چونکہ ابراہیم علیہ السلام اور لوط علیہ السلام دونوں کے پاس کافی ساز وسامان تھا اور مویشیوں کے بڑے بڑے ریوڑ بھی تھے بلاشبہ دونوں چچا بھتیجا آپس میں شیر وشکر تھے لیکن دونوں کی علیحدہ علیحدہ ملکیت ہونے کے باعث ان کے چرواہے اور ملازم ومحافظ آپس میں الجھے رہتے تھے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے چرواہے چاہتے تھے کہ اس چراگاہ اور سبزہ

زار سے پہلے ہمارے ریوڑ فائدہ اٹھائیں اور سیدنا لوط علیہ السلام کے چرواہوں کی خواہش ہوتی کہ اول ہمارا حق سمجھا جائے کہ ساتھ دینے والے کو اولیت حاصل ہو جاتی ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے چرواہوں کی خواہش ہوتی کہ اول ہمارا حق سمجھا جائے کہ ساتھ دینے والے کو اولیت حاصل ہو جاتی ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اس صورت حال کا اندازہ کر کے سیدنا لوط علیہ السلام سے مشورہ کیا اور دونوں کے مشورہ سے یہ طے پایا کہ باہمی تعلقات کی خوشگواری اور دائمی محبت والفت کی بقاء کیلئے ضروری ہے کہ لوط مصر سے ہجرت کر کے شرق اردن کے علاقہ سدوم اور عامورہ کی طرف چلے جائیں اور وہاں رہ کر دین حنیف کی تبلیغ کریں اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام واپس فلسطین چلے جائیں اور وہاں رہ کر اسلام کی تعلیم و تبلیغ کو سربلند کریں لہٰذا اس پروگرام کے مطابق عمل ہوا۔ مصر سے لوط علیہ السلام سدوم کو چلے گئے اور ابراہیم علیہ السلام فلسطین کی طرف روانہ ہو گئے۔

اردن کی جانب جہاں آج بحر میت یا بحر لوط واقع ہے یہی وہ جگہ ہے جس میں سدوم اور عامورہ کی بستیاں آباد تھیں۔ اس کے قریب بسنے والوں کا یہ خیال ہے کہ پہلے یہ تمام حصہ جو اس وقت سمندر ہے کسی زمانہ میں خشک زمین تھی اور اس پر شہر آباد تھے اور سدوم و عامورہ کی آبادیاں اسی مقام پر تھیں۔ یہ مقام شروع سے سمندر نہیں تھا بلکہ جب قوم لوط پر عذاب آیا اور اس سرزمین کو سخت زلزلے اور بھونچال نے ایسا ہلایا کہ یہ زمین تقریباً چار سو میٹر بلند سمندر سے نیچے چلی گئی اور پانی ابھر آیا اس لئے اس کا نام بحر میت یا بحر لوط پڑ گیا (بستانی جلد ۹ص ۷۵۳ بحوالہ قصص القرآن)

صحیح حقیقت حال اللہ ہی کو معلوم ہے البتہ اس بات کی قوی شہادت موجود ہے کہ اس بحر میت یا بحر لوط کے ساحل پر وہ حادثہ رونما ہوا جو قوم لوط کے عذاب سے موسوم ہے اور جو موجودہ اثری تحقیق نے بحر میت کے ساحل پر لوط علیہ السلام کی بستیوں کے بعد تباہ شدہ آثار ہویدا کر کے اس علم و یقین کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا ہے جس کا اعلان چودہ سو سال قبل قرآن نے کر دیا تھا۔

لوط علیہ السلام جب سدوم میں آئے اور یہاں قیام کیا تو دیکھا کہ یہاں کے باشندے بہت سی معصیتوں میں مبتلا ہیں کہ دنیا کی کوئی برائی ایسی نہیں جو ان لوگوں میں پائی نہ جاتی ہو اور کوئی خرابی ایسی نہ تھی جو ان میں موجود نہ ہو۔ یہ قوم دنیا کی سرکش، بدترین بداخلاق اور بدأطوار قوم کے دوسرے سارے عیوب کے ساتھ ایک ایسا خبیث عمل بھی رکھتی تھی جو دوسری کسی قوم میں اس وقت تک دیکھا یا سنا نہیں گیا تھا کہ وہ اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کیلئے عورتوں کی بجائے امردلڑکوں کے شیدائی تھے یہی بدبخت

قوم ہے جس نے اس ناپاک عمل کی طرح ڈالی اور اس کا نام "سدومیت" ہے لیکن افسوس کہ ہم مسلمانوں کے ہاں اس کو لوط علیہ السلام کی نسبت سے "لواطت" کا نام دیا گیا جو کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ سدومی لوط علیہ السلام کی خاندانی برادری کے افراد نہ تھے۔ علاوہ ازیں سدومیوں میں وہ ساری قباحتیں موجود تھیں جو ایسے افراد میں ہوتی ہیں گویا ہر بدعملی دوسری کے ساتھ جنم لے لیتی ہے۔

چنانچہ عبدالوہاب نجار جو مورخین میں سے اپنے فن کے ماہر مورخ سمجھے جاتے ہیں کہتے ہیں کہ میں نے عبرانی ادب کی ایک کتاب میں ان کی بعض بداعمالیوں کا حال پڑھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اہل سدوم کی یہ بھی عادت تھی کہ وہ باہر سے آنے والے تاجروں اور سوداگروں کے مال کو ایک نئے اور اچھوتے انداز سے لوٹ لیا کرتے تھے چنانچہ ان کا یہ طریقہ تھا کہ جب کوئی سوداگر باہر سے آکر سدوم میں مقیم ہوتا تو اس کے مال کو دیکھنے کے بہانے سے ہر شخص تھوڑی تھوڑی چیزیں اٹھاتا اور لے کر چل دیتا اور تاجر بے چارہ حیران و ششدر ہو کر رہ جاتا۔ اب اگر اس نے اپنے ضیاع مال کا شکوہ کیا اور رونے دھونے لگا تو ان لٹیروں میں سے ایک آتا اور لوٹی ہوئی ایک دو چیزیں دکھلا کر کہنے لگتا کہ بھائی میں تو یہ لے گیا تھا وہ تمہاری یہ چیز موجود ہے وہ سنجیدہ آواز میں کہتا ہے کہ میں اس کو لے کر کیا کروں گا جہاں میرا سارا مال لٹ گیا وہاں یہ بھی سہی جا تو لے جا جب یہ معاملہ ختم ہو جاتا تو اب دوسرا آتا اور وہ بھی اسی طرح کوئی معمولی سی چیز دکھا کر وہی کہتا جو پہلے نے کہا تھا اور سوداگر رنج و غم و غصہ میں اس سے بھی وہی کچھ کہتا۔ اس طرح سب اس کا مال ہضم کر جاتے اور سوداگر کو لوٹ کھسوٹ کر بھگا دیتے۔

اس کتاب میں یہ عجیب قصہ بھی موجود ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اور سارہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ لوط علیہ السلام کی خیر وعافیت معلوم کرنے کیلئے اپنے خانہ زاد الیعرز دمشقی کو سدوم روانہ کیا۔ وہ جب بستی کے قریب پہنچا تو اجنبی سمجھ کر ایک سدومی نے اس کے سر پر پتھر دے مارا اور الیعرز کے سر سے خون جاری ہو گیا تب آگے بڑھ کر سدومی کہنے لگا کہ میرے پتھر مارنے کی وجہ سے یہ تیرا سر سرخ ہوا ہے لہٰذا مجھے اس کا معاوضہ ادا کر اور اس مطالبہ کیلئے اس بچارے کو کھینچتا ہوا سدوم کی عدالت میں لے گیا حاکم سدوم نے مدعی کا بیان سن کر کہا کہ الیعرز کو سدومی کے پتھر مارنے کی اجرت دینی چاہئے الیعرز یہ سن کر غصہ میں آگیا اور ایک پتھر اٹھا کر حاکم کے سر پر دے مارا اور کہنے لگا کہ میرے پتھر مارنے کی جو اجرت ہے وہ تو اس سدومی کو دے دے۔ اور یہ کہہ کر وہاں سے بھاگ گیا۔

یہ واقعات صحیح ہوں یا غلط لیکن ان سے یہ روشنی ضرور پڑتی ہے کہ اہل سدوم اس قدر ظلم و جنس،

بے حیائی، بد اخلاقی اور فسق و فجور میں مبتلا تھے کہ اس زمانہ کی قوموں میں ان کی جانب سے اس قسم کے واقعات عام طور پر منسوب کئے جاتے تھے۔

لوط علیہ السلام کتنی مدت ان میں رہ چکے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے نوازا کچھ معلوم نہیں تاہم یہ بات تو یقینی ہے کہ لوط علیہ السلام ان میں سکونت پذیر ہونے کے باعث فریقین ایک دوسرے سے اچھی طرح مانوس ہو چکے تھے اور ایک دوسرے کو سمجھ چکے تھے اور اگر کوئی زبان کا اختلاف تھا تو وہ بھی یقینی حل ہو چکا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کو انہی بستیوں کی طرح نبی مبعوث کر دیا اور لوط علیہ السلام نے اللہ کا پیغام ان کو سنانا شروع کر دیا اور ان کی برائیوں سے ان کو روکنے کی پوری کوشش کی۔

لوط علیہ السلام نے ان کی بے حیائیوں اور خباثتوں پر ملامت کی اور شرافت و طہارت کی زندگی کی رغبت دلائی اور حسن خطابت، لطافت اور نرمی کے ساتھ جو ممکن طریقے سمجھانے کے ہو سکتے تھے استعمال کئے اور ان کو سمجھایا اور موعظت و نصیحت کی اور گزشتہ اقوام کی بد اعمالیوں کے نتائج و ثمرات بتا کر عبرت دلائی لیکن ان بدبختوں پر مطلق اثر نہ ہوا بلکہ اس کا الٹا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ برملا کہنے لگے کہ: ''اس لوط اور اس کے خاندان کو اپنے شہر سے نکال دو۔ یہ بلاشبہ بہت ہی پاک لوگ ہیں'' (الاعراف ۷:۸۲) انھم اناس یتطھرون ''بلاشبہ یہ پاک لوگ ہیں'' قوم لوط کا یہ مزاحیہ فقرہ تھا گویا انہوں نے لوط علیہ السلام اور ان کے خاندان کا استہزا کرتے ہوئے ان کا ٹھٹھا اڑاتے ہوئے یہ الفاظ کہے کہ بڑے پاک باز ہیں ان کا ہماری بستی میں کیا کام یا ناصح مشفق کی مربیانہ نصیحت سے غیظ و غضب میں آ کر کہتے تھے کہ ہم ناپاک اور بے حیاء ہیں اور وہ بڑے پاکباز ہیں تو ان کا ہماری بستی سے کیا واسطہ؟ ان کو یہاں سے نکالو یہ پاکبازوں میں جا کر رہیں اور بسیں۔

قوم کے اس استہزاء اور مذاق کی پرواہ انبیائے کرام علیہم السلام کا شیوہ نہیں وہ ان باتوں سے بالکل بے نیاز تھے کہ کون کیا کہتا ہے؟ ان کا کام اللہ کا پیغام پہنچانا تھا اور کسی کے روکنے سے اپنے پیغام پہنچانے کی ذمہ داری سے رک نہیں جاتے تھے اور یہی کام لوط علیہ السلام نے کیا قوم کے اس طرح کے الٹی میٹم کی کوئی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنی تبلیغ جاری رکھی اور فرمایا کہ لوگو! تم کو اتنا بھی احساس نہیں رہا کہ یہ سمجھ سکو کہ مردوں کے ساتھ بے حیائی کا تعلق، لوٹ مار اور اس قسم کی دوسری بداخلاقیاں بہت برے اعمال ہیں، تم یہ سب کچھ کرتے ہو اور پھر محفلوں اور مجلسوں میں کرتے ہو اور پھر شرمندہ ہونے کی بجائے بعد میں ان کا ذکر ایک دوسرے کو اس طرح سناتے ہو کہ گویا یہ کارنامے ہیں جو تم نے انجام دیئے ہیں۔ چنانچہ فرمایا کہ: ''کیا

تمہارا حال یہ ہے کہ مردوں کے پاس جاتے ہو اور راہزنی کرتے ہو اور اپنی مجلسوں میں برے کام کرتے ہو؟'' (العنکبوت ۲۹:۲۹)

یعنی یہ فحش کام چھپ کر بھی نہیں کرتے بلکہ اعلانیہ اپنی مجلسوں میں ایک دوسروں کے سامنے اس کا ارتکاب کرتے ہو اور یہی بات سورہ نمل میں اس طرح فرمائی گئی کہ ''تم ایسے بگڑ گئے ہو کہ دیکھنے والی آنکھوں کے سامنے فحش کاری کرتے ہو؟''

لوط علیہ السلام کی یہ باتیں سن کر انہوں نے جو کچھ کہا وہ یہ تھا: ''ائتنا بعذاب اللہ ان کنت من الصدقین'' ''لے آ اللہ کا عذاب اگر تو سچا ہے۔''

جیسا کہ آپ پیچھے پڑھ چکے ایک وقت لوط علیہ السلام نے ان کو یہ کہا تھا کہ ''بھائیو! یہ میری بیٹیاں موجود ہیں یہ تمہارے لئے پاکیزہ تر ہیں۔ کچھ اللہ کا خوف کھاؤ اور میرے مہمانوں کے معاملہ میں مجھے ذلیل نہ کرو کیا تم میں کوئی بھی بھلا آدمی موجود نہیں۔'' تو انہوں نے برملا جواب سنا دیا کہ: ''تجھے معلوم ہے کہ تیری بیٹیوں میں ہمارا کوئی حق نہیں ہے اور تو یہ بھی جانتا ہے کہ ہم کس چیز کے شیدائی ہیں'' (ہود ۱۱:۷۹)

یہ فقرہ ان لوگوں کے نفس کی پوری تصویر کھینچ دیتا ہے کہ وہ خباثت میں کس قدر ڈوب گئے تھے۔ بات صرف اس حد تک ہی نہ رہی تھی کہ فطرت اور پاکیزگی کی راہ سے ہٹ کر ایک گندی اور خلاف فطرت راہ پر چل پڑے تھے بلکہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ ان کی ساری رغبت اور تمام دلچسپی اب اس گندی راہ ہی میں تھی۔ ان کے نفس میں اب طلب اس گندگی ہی کی رہ گئی تھی اور وہ فطرت اور پاکیزگی کی راہ کے متعلق یہ کہنے میں کوئی شرم محسوس نہ کرتے تھے کہ یہ راستہ ہمارے لئے بنا ہی نہیں ہے۔ یہ اخلاق کے زوال اور نفس کے بگاڑ کا انتہائی مرتبہ ہے جس سے فروتر کسی مرتبے کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اس شخص کا معاملہ تو بہت ہلکا ہے جو محض نفسی کمزوری کی وجہ سے حرام میں مبتلا ہو جاتا ہے لیکن حلال کو چاہنے کے قابل اور حرام کو بچنے کے قابل چیز سمجھتا ہے ایسا شخص کبھی سدھر بھی سکتا ہے اور اگر نہ سدھرے تو بھی زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ ایک بگڑا ہوا انسان ہے مگر جب کسی شخص کی ساری رغبت صرف حرام میں ہی ہو اور پھر وہ یہ بھی سمجھے کہ حلال اس کیلئے ہے ہی نہیں تو اس کا شمار انسانوں میں نہیں کیا جا سکتا وہ دراصل ایک گندہ کیڑا ہے جو غلاظت ہی میں پرورش پاتا ہے اور طیبات سے اس کے مزاج کو کوئی مناسبت نہیں ہوتی۔ ایسے گندے کیڑے اگر کسی صفائی پسند گھر میں پیدا ہو جائیں تو وہ اپنی پہلی فرصت میں ان پر فینائل

ڈال کر ان کے وجود سے اپنے گھر کو پاک کر دیتا ہے۔

غرض لوط علیہ السلام کے ابلاغ حق، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا قوم پر کچھ اثر نہ ہوا اور وہ اپنی بد اخلاقیوں پر اسی طرح قائم رہی۔ سیدنا لوط علیہ السلام نے یہاں تک غیرت دلائی کہ تم اس بات کو نہیں سوچتے کہ میں آئے دن جو اسلام اور صراط مستقیم کی دعوت و پیغام کیلئے تمہارے ساتھ حیران و سرگرداں ہوں کیا کبھی میں نے تم سے سعی و کوشش کا کوئی ثمرہ طلب کیا ہے؟ کیا کوئی اجرت مانگی ہے؟ کسی نذر و نیاز کا طالب ہوا ہوں؟ میرے پیش نظر تو تمہاری دینی و دنیوی سعادت و فلاح کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے مگر تم ہو کہ مطلق توجہ ہی نہیں کرتے۔ مگر ان کے تاریک دلوں پر یہ سب کچھ کہنے کا کوئی اثر نہ ہوا اور وہ لوط علیہ السلام کو "اخراج" اور "سنگساری" کی دھمکیاں بدستور دیتے ہی رہے جب نوبت یہاں تک پہنچی اور ان کی سیاہ بختی نے کسی طرح اخلاقی زندگی پر آمادہ نہ ہونے دیا تو اس وقت ان کو بھی وہی پیش آیا جو اللہ کے بنائے ہوئے قانون جزاء کا قطعی اور حتمی فیصلہ ہے جن بدکرداریوں پر اصرار کی سزا بربادی و ہلاکت سنت اللہ میں طے ہے۔

مختصر یہ کہ وہ ملائکۃ اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے بیٹے کی خوشخبری دینے کے بعد وہاں سے رخصت ہونے کے بعد سدوم پہنچ گئے اور لوط علیہ السلام کے ہاں مہمان ہوئے یہ اپنی شکل و صورت میں حسین و جمیل اور عمر میں امرد لڑکوں کی شکل و صورت میں تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہی لباس ان کو یہاں آنے کیلئے دیا گیا تھا جس شکل و صورت کے سدومی شیدائی تھے۔ لوط علیہ السلام نے ان مہمانوں کو دیکھا تو ڈر گئے کہ اب نہ معلوم یہ بدبخت قوم میرے ان مہمانوں کے ساتھ کیا کرے گی؟ کیونکہ ابھی تک ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے فرستادہ ہیں۔

ابھی لوط علیہ السلام اسی کشمکش و پیچ میں تھے کہ قوم کو خبر لگ گئی اور وہ لوط علیہ السلام کے مکان پر چڑھ آئے اور مطالبہ شروع کر دیا کہ تم ان کو ہمارے حوالے کر دو۔ لوط علیہ السلام نے بہت سمجھایا اور کہا کہ کیا تم میں کوئی بھی سلیم الفطرت انسان نہیں ہے کہ وہ انسانیت کو برتے اور حق کو سمجھے؟ تم کیوں اس لعنت میں گرفتار ہو اور خواہشات نفس کے ازالہ کیلئے فطری طریق عمل کو چھوڑ کر اور حلال طریقہ سے عورتوں کو رفیقہ حیات بنانے کی جگہ اس ملعون بے حیائی کے درپے ہو رہے کاش! میں "رکن شدید" کی زبردست حمایت حاصل کر سکتا۔

لوط علیہ السلام کی اس پریشانی کو دیکھ کر ملائکہ نے کہا کہ آپ ہماری ظاہری صورتوں کو دیکھ

کر گھبرائیے نہیں ہم آپ کو ان پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کی خبر دینے کیلئے بھیجے گئے ہیں اس لئے کہ اللہ کے قانون "جزائے اعمال" کا فیصلہ ان کے حق میں اٹل ہے۔ وہ اب ان کے سر سے ٹلنے والا نہیں۔ آپ اور آپ کا خاندان اللہ کے اس نہ ٹلنے والے عذاب سے محفوظ رہے گا۔ مگر آپ کی بیوی ان کی رفاقت میں ہلاک ہو جائے گی اور آپ کا ساتھ نہ دے گی۔ پھر آخر عذاب الٰہی کا وہ مقررہ وقت آ پہنچا ابتدائے شب ہوئی تو لوط علیہ السلام ان کی دی گئی ہدایت کے مطابق اپنے خاندان سمیت دوسری جانب سے نکل کر سدوم سے رخصت ہو گئے اور انکی بیوی نے انکی رفاقت سے انکار کر دیا اور راستہ ہی سے لوٹ کر سدوم واپس آ گئی۔

آخر شب ہونے کو تھی کہ اول ایک ہیبت ناک چیخ نے اہل سدوم کو تہ و بالا کر دیا اور پھر آندھی اور سنگریزوں کی بارش نے ساری بستی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور ایک ہی شدید زلزلہ سے زمین سمندر کی اصل تہ سے بھی کہیں نیچے دھنسا دی گئی کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔

قبل اس کے کہ ان آیات کریمات کو ایک جگہ جمع کیا جائے جہاں جہاں قرآن کریم میں لوط علیہ السلام کا تذکرہ ہے وہ تین باتیں مزید سمجھنے کی ہیں ان کو سمجھ کر پھر آگے چلیں گے۔ ان شاء اللہ۔

۱۔ کہا جاتا ہے کہ لوط علیہ السلام نے "لو ان لی بکم قوۃ او اوی الی رکن شدید" (ہود ۱۱:۸۰) "کاش! میرے پاس اتنی طاقت ہوتی کہ (تمہیں سیدھا کر دیتا) یا "رکن شدید" کی طرف ٹھکانا پکڑتا۔ کے الفاظ بیان فرما کر غیر اللہ کی طرف توجہ فرمائی ہے۔ حالانکہ اس آیت سے غیر اللہ کی طرف توجہ کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ جس نے کہا اس کی اپنی تفہیم درست نہ ہوئی۔ اس لئے کسی نے اس سے لوط علیہ السلام کا خاندان مراد لیا اور کسی اور نے کوئی چیز جبکہ ایسی کوئی بات بھی نہیں۔

اس رکن شدید سے کیا مراد ہے؟ کیا لوط علیہ السلام نے "نعوذ باللہ" اللہ کی قدرت پر بھروسہ نہ کیا کہ وہ کسی "رکن شدید" کی پناہ کے طالب تھے؟

خود نبی اعظم و آخر ﷺ کی زبان اقدس نے اس کا فیصلہ فرما دیا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:

یغفر اللہ للوط ان کان لیاوی الی رکن شدید (صحیح بخاری مع فتح الباری پارہ ۱۳، ص ۴۳۳) اللہ لوط کو بخشے کہ وہ (کس قدر پریشان کئے گئے) کہ رکن شدید (اللہ تعالیٰ) کی طرف ہجرت کے طالب ہوئے۔ زیر نظر حدیث پر نہایہ ابن الاثیر اور مجمع البحار میں یہ تبصرہ کیا گیا ہے کہ:

رحمہ اللہ لوطا ان کان یاوی الی رکن شدید الی اللہ الذی ھو اشد الارکان

والقوها واسعا لرحم علیہ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ لوط علیہ السلام نرم مزاج اور قابل رحم تھے کہ قوم کی شرارتوں سے تنگ آ کر انہوں نے رکن شدید کی طرف توجہ فرمائی جس سے مراد ان کی اللہ پاک کی ذات گرامی ہے کہ وہ مجھے بحفاظت تام کسی بہتر جگہ پہنچا دے اور یہ وہی بات ہے جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام لوط علیہ السلام کے سامنے کئی بار کہہ چکے تھے جیسے انی ذاھب الی ربی (الصافات ۳۷:۹۹) انی مھاجر الی ربی (العنکبوت ۲۹:۲۶) میں اپنے رب کی طرف جاتا ہوں اور یہ کہ میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرتا ہوں امید ہے کہ وہ مجھے بحفاظت تام کسی بہتر جگہ پر پہنچا دے گا اور یہی بات لوط علیہ السلام نے کہی ہے اس لئے کہ ابھی تک فرشتوں نے ہجرت کی اطلاع آپ کو نہ دی تھی اور آپ کے اس جملہ کے بعد کچھ زیادہ دیر نہ لگی کہ آپ کو ہجرت کا حکم سنا دیا گیا اور رات آنے تک آپ وہاں سے محفوظ مقام کی طرف ہجرت کر بھی گئے۔

نبی اعظم و آخر ﷺ کے الفاظ یغفر اللہ للوط اور شارحین کے جملہ رحم اللہ لوطا سے کسی صاحب کو وہم نہ ہو کہ جب کوئی غلطی لوط علیہ السلام نے نہیں کی تو پھر ان الفاظ کا مطلب کیا؟

یاد رہے کہ رحم اللہ فلاناً محل مدح میں واقع ہے اور یہ لفظ مختلف جگہوں میں "محل مدح" کے طور پر خود رسول اللہ ﷺ نے بار بار استعمال فرمایا ہے اس سے کسی گناہ کی طرف کوئی اشارہ تک نہیں پایا جاتا۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عن علی قال قال رسول اللہ ﷺ رحم اللہ ابابکر زوجنی ابنتہ وحملنی الی دار الھجرۃ واعتق بلالا من مالہ رحم اللہ عمر یقول الحق وان کان مرا ترکہ الحق و مالہ صدیق رحم اللہ عثمان تستحیہ الملائکۃ رحم اللہ علیا اللھم ادر الحق معہ حیث دار (جامع ترمذی ج ۲ ص ۲۱۹ باب مناقب علی) رحم اللہ امرا صلی قبل العصر اربعا (ابوداؤد ج اول ص ۱۸۰)

رحم اللہ رجلا قام من اللیل فصلی وایقظ امراتہ فان ابت نضح فی وجھھا الماء رحم اللہ امراۃ قامت من اللیل (ابوداؤد ج اول ص ۱۸۵)

یہ سب مناقب و فضائل میں کہا گیا ہے، مثالب و رذائل کا نہ کوئی شبہ ہے اور نہ گنجائش۔

پھر رکن شدید کے متعلق صاف بیان محدثین و مفسرین کا موجود ہے جیسا کہ اوپر بھی بیان کیا گیا ہے اور مزید یہ ہے کہ فالمراد بالرکن الشدید ھو اللہ سبحانہ و تعالیٰ فانہ اشد الارکان اقواھا وامنعھا (عون الباری ص ۳۸۹ ج ۳، عمدۃ القاری ص ۲۰ ج ۱۵، فتح الباری شرح صحیح بخاری پارہ ۱۳ ص ۲۳۳، سراج وہاج ص ۳۳۲ ج ۲ صحیح مسلم مع شرح نووی ج اول ص ۸۶)

الرکن الشدید من اللہ الذی لا رکن مثلہ (مشکل الآثار امام طحاوی ج اول ص ۱۳۵)

مطلب صاف ہو گیا کہ سیدنا لوط علیہ السلام اللہ کو بھول کر کسی اور قوت کی پناہ کے طالب نہ تھے بلکہ وہ اس درجہ قابل رحم حالت میں تھے کہ اس وقت ان کی یہ تمنا ہوئی کاش اگر اللہ تعالیٰ مجھے ایسی قوت عطا فرماتا کہ میں اس وقت ان سب بدبختوں کو اس کی خباثت کا مزہ چکھا سکتا اور "رکن شدید" یعنی اس کے پروردگار نے آخر ان کی مدد کی اور ان پر فرشتوں نے سارا راز ظاہر کر دیا اور ان کو تسلی اور اطمینان دیا کہ آپ پریشان نہ ہوں تھوڑا ہی وقت گزرے گا کہ یہ اپنی اس بدکرداری کے عبرتناک انجام کو پہنچ جائیں گے۔

اس راز کے کھل جانے کے بعد سدوم سے ہجرت کر کے مع اپنے خاندان کے افراد کے ضوع یا صغر کی بستی میں چلے گئے جو سدوم سے قریب ہی آباد تھی اور بعد ازیں جلد ہی صغر کو بھی چھوڑ کر قریب ہی ایک پہاڑی پر جا کر آباد ہو گئے اور امن و امان سے رہنے سہنے لگے اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔

۴۔ لوط علیہ السلام کے متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے مہمانوں کی حفاظت کیلئے اپنی بیٹیاں کیسے پیش کر دیں؟ کیونکہ آپ نے ان سے فرمایا ہے کہ "ھؤلاء بناتی ھن اطھر لکم (ہود ۱۱:۷۸) ھؤلاء بناتی ان کنتم فعلین (الحجر ۱۵:۷۱)" یعنی لوط علیہ السلام نے قوم کی مزاحمت اور مہمانوں سے متعلق مطالبہ سے تنگ آ کر یہ فرمایا کہ "تم ان مہمانوں سے تعرض نہ کرو اگر نفس کی فطری خواہش پوری کرنا چاہتے ہو تو یہ میری بیٹیاں موجود ہیں یہ تمہارے لئے پاک ہیں" اس کا کیا مطلب ہے؟ ایک باعصمت و باعزت انسان اور پھر وہ نبی معصوم کس طرح یہ گوارا کر سکتا تھا کہ اپنی باعصمت لڑکیوں کو ایسے بے حیاء اور خبیث انسانوں کے سامنے پیش کرے؟

بلاشبہ اس طرح فرضی سوال اٹھائے گئے اور پھر مختلف طریقوں سے ان کے جواب بھی دیئے گئے حالانکہ ذرا غور کر لیا جاتا تو اس طرح کے سارے سوال خود بخود ہی ختم ہو کر رہ جاتے بڑی تمہیدات کی کوئی ضرورت نہ پڑتی۔ بات بالکل صاف ہے کہ لوط علیہ السلام نبی و رسول ہیں اور ہر ایک نبی و رسول اپنی پوری امت کا روحانی باپ ہے قوم مسلمان ہو کر اس کی اطاعت گزار ہو یا انکار کر کے متمرد و منحرف ہو جائے دونوں صورتوں میں وہ اس کی امت میں داخل ہے اگرچہ پہلا گروہ "امت اجابت" کہلاتا ہے اور دوسرا گروہ "امت دعوت" اور اس طرح تمام امت اس کی اولاد ہوتی ہے اور نبی و رسول اس پوری امت کا روحانی باپ۔

ظاہر ہے کہ اس طرح لوط علیہ السلام نے جو"بنتی" کا لفظ ارشاد فرمایا تو اس کے ساتھ"من اطھر لکم" بھی فرمایا یعنی میری بیٹیاں جو تمہارے ساتھ بیاہی جا چکی ہیں وہ تمہاری اس نفسانی خواہش کے ازالہ ہی کیلئے تو ہیں جو تمہارے لئے حلال اور پاکیزہ ہیں پھر تم کتنے بدبخت ہو کہ ان کو چھوڑ کر اس ملعون اور خبیث کام پر اصرار کرتے ہو ایسا نہ کرو"العیاذ باللہ" یہ مقصد بالکل نہ تھا کہ وہ اپنی صلبی لڑکیاں ان کو پیش فرما رہے تھے۔ جس نے یہ سمجھا یا جس نے یہ کہا بالکل غلط سمجھا اور بالکل غلط کہا۔

ہمیں تعجب ہے کہ علامہ عبدالوہاب نجار مصری نے اس پر یہ سوال کیسے اٹھا دیا کہ"یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ لوط علیہ السلام ان کافر عورتوں کے باپ تسلیم کئے جائیں؟ اس میں باپ تسلیم ہونے یا بیٹیاں تسلیم کرنے کا کوئی مطلب ہی نہیں ہے ہر زبان میں کسی بچی یا کسی بچے کو بیٹی یا بیٹا" ایھا الولد "My son" کے لفظ سے یاد کیا جا سکتا ہے اور اسی طرح کسی بزرگ اور بڑے آدمی کو"ابو" "چچا" اور"والدی Father" کہا جا سکتا ہے اور اس سے وہ حقیقی اور صلبی اولاد یا باپ نہیں بن جاتا۔ اتنی عام فہم بات کو کیا سے کیا بنا دیا گیا۔

اور سب سے بڑھ کر ثبوت اس معاملہ میں اللہ کی کتاب ہے اور اس نے خود اس بات کا دوسری جگہ فیصلہ فرما دیا ہے کہ لوط علیہ السلام نے ان لوگوں کو ان کی اپنی بیویوں کی طرف توجہ دلائی تھی وہ بات نہیں کی تھی جس پر سوال جواب کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے کہ:

اتاتون الذکران من العلمین ٭ وتذرون ما خلق لکم ربکم من ازواجکم بل انتم قوم عدون ٭ (الشعراء ۲۶: ۱۶۵، ۱۶۶) "کیا تم دنیا جہان میں مردوں ہی کے پاس آتے ہو اور تمہاری بیویوں میں تمہارے رب نے تمہارے لئے جو کچھ پیدا کیا ہے اسے چھوڑ دیتے ہو؟ (کتنے نالائق ہو تم) بلکہ تم لوگ تو حد سے ہی گزر گئے ہو" اب انہی"ازواجکم" کو لوط علیہ السلام نے"ہٰؤلاء بناتی ھن اطھر لکم" کہہ دیا ہے تو آخر کونسی قیامت ہو گئی ہے؟ اور کیوں اس بحث کو اتنا طول دیا گیا ہے؟ چنانچہ در منثور ج ۳ ص ۳۴۴ میں بحوالہ ابوالشیخ عبداللہ بن عباس ؓ مروی ہے کہ:

"ما عرض لوط علیہ السلام بناتہ علی قومہ لا سفاحا ولا نکاحا انما قال ھؤلاء بناتی نساء کم لان النبی اذا کان بین ظھری قوم فھو ابوھم قال اللہ فی القرآن وازواجہ امھاتھم وھو ابوھم فی قراۃ ابی"

نیز بحوالہ ابن عساکر اور ابن ابی الدنیا سدی سے مروی ہے کہ:

"ھؤلاء بناتی قال عرض علیھم نساء امتہ کل نبی ابو امتہ وفی قراۃ عبداللہ النبی اولی

بالمؤمنین من انفسھم وازواجہ امھاتھم"

نیز بحوالہ ابن جریر، ابن ابی حاتم وغیرہ مجاہد اور سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ:

"لم تکن بناتہ ولکن کن من امتہ وکل نبی ابو امتہ ... انما دعاھم الی نساء ھم وکل نبی ابو امتہ"

۳۔ کیا لوط علیہ السلام کی بیوی کافرہ اور مشرکہ تھی یا زانیہ اور بدکار؟ یہ سوال پیچھے نوح علیہ السلام کے تذکرہ میں بھی ذکر کیا گیا ہے۔ سمجھ لینا چاہئے کہ کسی نبی کے حسب و نسب میں زنا جیسی بدکاری کا صدور تسلیم نہیں اور نہ ہی کسی نبی کے اہل یعنی زوجہ میں۔ ہاں حسب و نسب میں کفر شرک اور اہل زوجہ میں مرض منافقت کا صدور ممکن ہے۔ جس کو نبی کی خیانت پر محمول کیا گیا ہے اور یاد رہے کہ نوح علیہ السلام کی بیوی"والھۃ" اور لوط علیہ السلام کی بیوی"واعلہ" دونوں میں نبوی خیانت موجود تھی زوج کی خیانت نہیں اور اللہ کے ان دونوں بندوں کا کمال ہے کہ انہوں نے باوجود نبی و رسول ہونے کے نبوت و رسالت کی خیانت کو برداشت کرتے ہوئے وقت گزار دیا اور اپنی زوجیت سے ان کو فارغ نہیں کیا جس میں ساری امتوں کیلئے جو ان کے بعد آئیں ایک"اسوہ حسنہ" موجود ہے اور قرآن کریم نے اس کو بیان فرما کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ میاں بیوی کا تعلق کتنا ہی قریب کا تعلق ہے لیکن اتنا قریب بھی اس شخص کیلئے مفید مطلب ثابت نہیں ہوتا جس شخص میں نبی و رسول کی نافرمانی کے جراثیم موجود ہوں۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

ضرب اللہ مثلا للذین کفروا امرات نوح و امرات لوط ؕ کانتا تحت عبدین من عبادنا صالحین فخانتھما فلم یغنیا عنھما من اللہ شیئا و قیل ادخلا النار مع الدخلین ٭ (التحریم ۶۶: ۱۰)

"اللہ کافروں کے معاملہ میں نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کی بیویوں کو بطور مثال پیش کرتا ہے وہ ہمارے دو صالح بندوں کی زوجیت میں تھیں مگر انہوں نے دونوں نبیوں سے (باوجود ان کی بیویاں ہونے کے) خیانت کی اور وہ (نبی) اللہ کے مقابلے میں ان کے کچھ بھی کام نہ آ سکے اور ان دونوں (نبیوں کی بیویوں سے) کہہ دیا گیا کہ جاؤ آگ میں جانے والوں کے ساتھ تم بھی داخل ہو جاؤ۔" اس معاملہ میں مشاہیر علمائے اسلام و مفسرین کرام نے تشریح و تفسیر کر دی ہے۔

چنانچہ تفسیر البیان میں زیر نظر آیت کے تحت بیان کیا گیا ہے کہ:

وقد وقعت الادلۃ الاجماعیۃ علی انھا ما زنت امراۃ نبی قط

"سب مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کسی نبی کی بیوی زانیہ نہیں ہوئی"

درمنثور ج ۳ ص ۳۳۵ میں بحوالہ ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ عبداللہ بن عباس ؓ سے مروی ہے:

ان نساء الانبیاء لا یزنین ۔ ’’نبیوں کی بیویاں کبھی زناکار نہیں ہو سکتیں‘‘

درمنثور ج ۳ ص ۳۳۵ میں بحوالہ عبدالرزاق فریابی ابن منذر ابن ابی حتم ابن عساکر اور ابوالشیخ عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ:

ما بغت امراۃ نبی قط ’’کسی نبی کی بیوی زناکار نہیں ہوئی اور نہ ہی ہو سکتی تھی‘‘

درمنثور ج ۶ ص ۲۳۵ بحوالہ ابن عساکر اشرس خراسانی سے مرفوعاً آیا ہے کہ:

انہ قال ما بغت امراۃ نبی قط ’’نبی اعظم و آخر ﷺ نے فرمایا کہ کبھی بھی کسی نبی کی بیوی بدکار (زانیہ) نہیں ہوئی۔‘‘

درمنثور ج ۶ ص ۲۳۵ بحوالہ عبدالرزاق فریابی، سعید بن منصور، عبد بن حمید، ابن ابی الدنیا، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم، حاکم عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ:

ما زنتا اما خیانۃ امراۃ نوح فکانت تقول للناس انہ مجنون واما خیانۃ امراۃ لوط فکانت تدل علی الضیف فتلک خیانتھما .... ’’وہ بدکار نہیں تھیں، نوح علیہ السلام کی بیوی تو لوگوں سے کہہ دیتی کہ وہ نوح علیہ السلام مجنون ہے اور لوط علیہ السلام کی بیوی دوسرے لوگوں کو باہر سے آئے ہوئے مہمانوں کی اطلاع کر دیتی تھی‘‘

تفسیر مواہب الرحمن میں ہے کہ ’’کسی نبی کی بیوی کبھی بدکار نہیں رہی، ان دونوں عورتوں کی خیانت دراصل دین کے معاملہ میں تھی نوح علیہ السلام بیوی اپنی قوم کے جباروں کو ایمان لانے والوں کی خبریں پہنچایا کرتی تھی اور لوط علیہ السلام کی بیوی اپنے شوہر کے ہاں آنے والے لوگوں کی اطلاع اپنی قوم کے بداعمال لوگوں کو دے دیا کرتی تھی‘‘ (زیر نظر آیت زیر بحث)

درمنثور ج ۶ ص ۲۳۴ میں بحوالہ ابن عدی، ابن عساکر، شعب الایمان ضحاکؓ سے مروی ہے:

انما کانت خیانۃ امراۃ نوح و امراۃ لوط النمیمۃ ’’ان دونوں عورتوں کو چغل خوری کی عادت تھی ادھر کی باتیں ادھر کرتی رہتی تھیں‘‘

مفردات امام راغب میں خیانت کا ترجمہ ’’نفاق‘‘ کیا ہے اور یہ ان ساری باتوں پر ’’حاوی‘‘ ہے جو پیچھے ذکر کی جا چکی ہیں لیکن کسی منافق کو بھی محض اس کے نفاق کے باعث زانی نہیں کہا جا سکتا۔ اور ازدواجی زندگی میں آنے کے بعد زوجین میں سے کسی کا نفاق کھل جائے چونکہ وہ نفاق ازدواج بننے سے پہلے معلوم نہ تھا اب اصلاح کی کوشش تو کی جا سکتی ہے لیکن محض اس کے باعث ازدواجی زندگی

منقطع نہیں کرنی چاہیے۔ ازدواجی زندگی کے انقطاع کی جائز وجہیں اور ہیں۔

ازیں بعد ان آیات کریمات کو یکجا جمع کیا جا رہا ہے جن میں سیدنا لوط علیہ السلام کا ذکر ہے۔ حسب معمول ہم ترجمہ پر اکتفا کریں گے۔ متن قرآن سے دیکھ لیں تفسیر دیکھنا مطلوب ہو تو آیتوں کے حوالہ جات سے وہ مقامات نکال کر دیکھی جا سکتی ہے۔

’’اور لوطؑ کا واقعہ یاد کر جب اس نے اپنی قوم سے کہا تھا کیا تم اس بے حیائی کا کام پسند کرتے ہو جو تم سے دنیا میں کسی انسان نے نہیں کیا؟ تم عورتوں کو چھوڑ کر نفسانی خواہشات سے مردوں پر مائل ہوتے ہو یقیناً تم ایک ایسی قوم ہو گئے ہو جو اپنی نفس پرستیوں میں بالکل چھوٹ ہے؟ لوطؑ کی قوم نے اس کو جو جواب دیا وہ صرف یہ تھا کہ آپس میں ایک دوسرے کو کہنے لگے اس آدمی کو اپنی بستی سے نکال باہر کرو یہ ایسے لوگ ہیں جو بڑے پاک وصاف بن بیٹھے ہیں۔

پھر ایسا ہوا کہ لوط اور اس کے سارے گھر والوں کو ہم نے بچا لیا مگر اس کی بیوی نہ بچی کہ وہ بھی پیچھے رہ جانیوالوں میں تھی۔ ہم نے ان پر ایک انوکھی بارش برسائی جو بھی برسائی سو دیکھو مجرموں کا انجام کیسا ہوا؟‘‘ (الاعراف ۷: ۸۱ تا ۸۴)

اور پھر جب ایسا ہوا کہ ہمارے فرستادہ لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے تو وہ ان کے آنے سے خوش نہیں ہوا، ان کی موجودگی نے اسے پریشان کر دیا وہ (دل ہی دل میں) بولا آج کا دن بڑی مصیبت کا دن ہے اور اس کی قوم کے لوگ دوڑتے ہوئے آئے وہ پہلے ہی برے کاموں کے عادی ہو چکے تھے۔ لوط علیہ السلام نے ان سے کہا کہ لوگو! یہ میری بیٹیاں ہیں (یعنی ان ہی کی عورتیں جو اس بستی میں ان ہی لوگوں کے گھروں میں رہ رہی تھیں اور جنہیں انہوں نے چھوڑ رکھا تھا) یہ تمہارے لئے جائز اور پاک ہیں (کیونکہ تمہارے نکاح میں ہیں) پس (ان کی طرف ملتفت ہو) اللہ سے ڈرو میرے مہمانوں کے معاملہ میں مجھے رسوا نہ کرو کیا تم میں کوئی بھی بھلا آدمی نہیں ہے؟

ان لوگوں نے جواب دیا کہ تجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تیری ان بیٹیوں سے (جن کو تو نے اپنی بیٹیاں کہہ کر ہم کو متوجہ کیا ہے) ہمیں کوئی سروکار نہیں (ہماری رغبت اس طرف نہیں) اور تو اچھی طرح جانتا ہے کہ ہم کس بات کے شیدائی ہیں۔ لوط نے (ان کی بات سن کر) کہا کاش تمہارے مقابلے کی مجھے طاقت ہوتی (کہ تمہیں سیدھا کر دیتا) یا ’’رکن شدید‘‘ کی طرف ٹھکانا پکڑتا (ہجرت کا حکم ملتا تو یہاں سے ہجرت کر جاتا) اس وقت مہمان خود بول پڑے کہ اے لوط! ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے آئے ہیں

(گھبرایئے نہیں) یہ لوگ تجھ پر قابو نہیں پا سکیں گے۔ بس تو اس طرح کر کہ جب رات کا ایک حصہ گزر جائے تو اپنے گھر کے آدمیوں کے ساتھ لے کر یہاں سے ہجرت کر جا اور تم میں سے کوئی ادھر ادھر نہ دیکھے (لیت و لعل نہ کرے) مگر ہاں! تیری بیوی تیرا ساتھ دینے والی نہیں (پیچھے رہ جائے گی) اور جو کچھ ان لوگوں پر گزرنے والا ہے اس پر بھی گزر جائے گا۔ ان لوگوں کیلئے عذاب کا مقررہ وقت صبح کا ہے اور صبح کے آنے میں آخر کتنی دیر ہے؟ (کچھ دیر نہیں)

پھر جب ہماری (ٹھہرائی ہوئی) بات کا وقت آ پہنچا تو ہم اس بستی کی تمام بلندیاں پستی میں بدل کر رکھ دیں گے اور اس پر آگ میں پکے ہوئے پتھر لگاتار برسائے جو تیرے پروردگار کی طرف سے نشان کئے ہوئے تھے اور (پیغمبر اسلام) یہ بستی (جس کو تہس نہس کرنے کا ذکر کیا جا رہا ہے) آپ کے وقت کے ظالموں سے کوئی دور نہیں ہے۔ (یہ اپنی سیر و سیاحت میں وہاں سے گزرتے رہتے ہیں۔)(سورہ ہود ۱۱:۷۷ تا ۸۳)

پھر جب ایسا ہوا کہ یہ بھیجے ہوئے (فرشتے) لوط علیہ السلام کے لوگوں کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا کہ تم لوگ اجنبی آدمی معلوم ہوتے ہو، انہوں نے کہا نہیں ایسی بات نہیں بلکہ ہم تمہارے پاس وہ بات لے کر آئے ہیں جس میں (آپ کی قوم کے) لوگ شک کیا کرتے تھے (یعنی ان کی ہلاکت کی خبر) ہمارا آنا تو ایک امر حق کیلئے ہے اور ہم اپنے بیان میں سچے ہیں۔ بس چاہئے کہ کچھ رات رہے اپنے گھر کے لوگوں کو لے کر نکل جاؤ (یہاں سے ہجرت کر جاؤ) اور تم خود ان کے پیچھے پیچھے چلو اور اس بات کا خیال رکھو کہ تم میں سے کوئی پلٹ کر نہ دیکھے۔ جہاں جانے کا حکم دے دیا گیا ہے (اس طرف رخ کیے) چلے جاؤ۔

غرض کہ ہم نے لوط علیہ السلام پر حقیقت حال واضح کر دی کہ ہلاکت کا ظہور ہونے والا ہے اور باشندگان شہر سدوم کی بیخ و بنیاد صبح ہوتے ہوتے اکھڑ جانے والی ہے اور اس (اثنا میں ایسا ہوا کہ) شہر کے لوگ خوشیاں مناتے ہوئے آ پہنچے۔ لوط نے کہا دیکھو یہ آدمی میرے مہمان ہیں تم میری فضیحت نہ کرو، اللہ سے ڈرو تم میری رسوائی کے کیوں درپے ہو گئے ہو؟

انہوں نے کہا کیا ہم نے تجھے اس بات سے نہیں روک دیا تھا کہ کسی قوم کا آدمی ہو لیکن اپنے یہاں نہ ٹھہراؤ (اگر ٹھہراؤ گے تو پھر جو کچھ ہمارے جی آئے گا وہ کر گزریں گے) لوط علیہ السلام نے کہا اگر ایسا ہی ہے تو دیکھو یہ میری بیٹیاں یعنی تمہاری بیویاں ہیں جن کی طرف ملتفت ہونے کا تم کو حکم ہے) ان کی طرف ملتفت ہو۔

(اس وقت فرشتوں نے لوط سے کہا) تمہاری زندگی (کے رب) کی قسم یہ لوگ تو اپنی بدمستیوں میں کھوئے گئے ہیں (تمہاری باتیں ماننے والے نہیں) غرض (فرشتوں نے جب صورت حال بتا دی تو) سورج نکلتے ہی نکلتے ایک ہولناک آواز (الصیحہ) نے انہیں آ لیا۔ پس ہم نے وہ بستی زیر و زبر کر دالی اور پکی ہوئی مٹی کے پتھروں کی ان پر بارش کی (کہ آتش فشاں نے پھٹ کر ان کو تہ و بالا کر دیا) بلاشبہ اس واقعہ میں ان لوگوں کیلئے بڑی ہی نشانیاں ہیں جو (حقیقت کی) پہچان رکھنے والے ہیں (اور جو ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیں ان کیلئے کچھ فائدہ نہیں۔)

اور (قوم لوط کی) یہ بستی (کسی غیر معروف گوشے میں نہ تھی وہ) ایسی راہ پر واقع ہے جہاں آمد و رفت کا (اب بھی) سلسلہ قائم ہے اس بستی کی حالت میں ایمان رکھنے والوں کیلئے ایک بڑی ہی نشانی ہے۔" (سورہ الحجر ۱۵:۶۱ تا ۷۷)

"لوط کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا۔ یاد کرو جب ان کے بھائی لوط علیہ السلام نے ان سے کہا تھا کہ کیا تم لوگ ڈرتے نہیں ہو؟ میں تمہارے لئے ایک امانت دار رسول ہوں لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے کیا تم دنیا جہان کی مخلوق سے مردوں کے پاس جاتے ہو اور تمہاری بیویوں میں تمہارے رب نے تمہارے لئے جو کچھ پیدا کیا ہے اسے چھوڑ دیتے ہو؟ بلکہ تم لوگ تو حد سے ہی گزر گئے ہو۔

انہوں نے کہا اے لوط اگر تو ان باتوں سے باز نہ آیا تو جو لوگ ہماری بستیوں سے نکالے گئے ہیں ان میں تو بھی شامل ہو کر رہے گا۔ اس نے کہا کہ تمہارے کرتوتوں پر جو لوگ کڑھ رہے ہیں میں (پہلے ہی) ان میں شامل ہوں، اے پروردگار مجھے اور میرے اہل و عیال کو ان کی بدکرداریوں سے نجات دے۔ انجام کار ہم نے اسے اور اس کے سارے اہل و عیال کو بچا لیا بجز اس بڑھیا کے جو اس کی بیوی تھی وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھی پھر باقی ماندہ لوگوں کو ہم نے تباہ کر دیا اور ان پر ایک ایسی بارش برسائی جو بہت ہی بری بارش تھی جو ان ڈرائے جانے والوں پر برسائی گئی۔" (الشعراء ۲۶:۱۶۰ تا ۱۷۳)

اور ہم نے لوط کو بھیجا کہ جب کہ اس نے اپنی قوم سے کہا کہ تم تو وہ فحش کام کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا والوں میں سے کسی نے نہیں کیا ہے۔ کیا تمہارا حال یہ ہے کہ تم مردوں کے پاس جاتے ہو اور رہزنی کرتے ہو اور اپنی مجلسوں میں برے کام کرتے ہو؟ پھر کوئی جواب اس کی قوم کے پاس اس کے سوا نہ تھا کہ انہوں نے کہا لے آ اللہ کا عذاب اگر تو سچا ہے۔ لوط علیہ السلام نے کہا اے میرے رب ان مفسد

لوگوں کے مقابلہ میں میری مدد فرما" (العنکبوت ۲۹: ۲۸ تا ۳۰) اور سورۃ التحریم ۶۶ کی آیت ۱۰ میں بھی لوط علیہ السلام کی بیوی کا ذکر آیا جس کی تفصیل قریب ہی پیچھے گزر چکی ہے۔

لوط علیہ السلام کی دعوت کو مختصراً بیان کر دینا بھی فائدے سے خالی نہیں ہوگا اس لئے اس کا مختصر سے مختصر ذکر اس طرح کیا جاسکتا ہے جو یاد رکھنا آسان ہوگا۔

۱۔ لوط علیہ السلام سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے ہارون کے بیٹے تھے جو ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہی مہاجر ہوئے اور بحکم الٰہی "سدوم" میں مقیم ہو گئے جو دریائے یردن کی ترائی میں واقع تھا۔

۲۔ لوط علیہ السلام کی قوم میں جو بدعملیاں پھیلی ہوئی تھیں ان سب میں سرفہرست سدومیت یعنی اغلام بازی تھی اور چند معدودے آدمیوں کے سوا پوری قوم اس بے حیائی اور غیر فطری فعل میں غرق ہو چکی تھی۔ اس لئے لوط علیہ السلام نے بھی سب سے پہلے اس بات کو اپنی دعوت کا موضوع بنایا لیکن آپ کی دعوت کا قوم پر ذرا اثر نہ ہوا۔

۳۔ لوط علیہ السلام چونکہ باہر سے آکر آباد ہوئے تھے آپ کے پاس آپ کے علاقے کے مہمان آتے تو ان کو اس بستی کے لوگ تنگ کرتے اور ان کے پیچھے پڑ جاتے تھے۔

۴۔ لوط علیہ السلام سے مطالبہ کرتے کہ یا تو آپ ان مہمانوں کو یہاں اپنے ہاں ٹھہرنے نہ دیں یا جو کچھ ہم چاہتے ہیں اس سے ہم کو منع نہ کریں۔

۵۔ سدومیوں میں علاوہ ازیں بہت کچھ برائیاں پائی جاتی تھیں کہ وہ لوگوں کا مال اچک لیتے تھے اور خصوصاً اجنبیوں کو طرح طرح سے تنگ کرتے تھے۔

۶۔ سدومیوں کی بستی آتش فشاں پہاڑوں کے دامن میں تھی اور یہ وسیع و عریض پہاڑی دامن مویشی پالنے اور زراعت کے کام کیلئے نہایت ہی موزوں تھا۔

۷۔ اللہ تعالیٰ کے فرشتے لوط علیہ السلام کے پاس آئے تاکہ ان کو وہاں سے نکل جانے کی اطلاع دیں اور قوم کے غرق ہو جانے کی خبر پہنچائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو شکل و صورت کا ایسا لباس دیا جو سدومیوں کیلئے جاذب نظر تھا وہ ان کو دیکھتے ہی مفتون ہو گئے اور ایسے اندھے ہوئے کہ خواہش نفس کے ازالہ کیلئے لوط علیہ السلام کے گھر میں گھس آئے۔

۸۔ لوط علیہ السلام نے ان کو بے شمار پند و نصیحت کی لیکن وہ اتنے ڈھیٹ نکلے کہ ان پر کسی بات کا کچھ اثر نہ ہوا لوط علیہ السلام کی پریشانی کو دیکھ کر فرشتوں نے حقیقت سے پردہ اٹھایا اور لوط علیہ السلام کو

ہجرت کی اطلاع دے کر اور مقام ہجرت کا اشارہ سمجھا کر دیکھتے ہی دیکھتے غائب ہو گئے اور انہوں نے یہ بھی بتا دیا کہ آپ کی بیوی آپ کا ساتھ دینے والی نہیں ہے اس لئے اس کی ہلاکت کا پیغام ہی یاد رکھو۔

۹۔ لوط علیہ السلام رات کے وقت اپنے سارے خاندان کو لے کر اطلاع دیئے گئے مقام کی طرف نکل گئے اور آپ کی بیوی نے فی الواقع آپ کا ساتھ نہ دیا۔

۱۰۔ رات کے آخری حصہ میں آتش فشاں پھٹا اور سورج کے نکلنے کے وقت تک اس پوری بستی کو تہس نہس کر کے رکھ دیا اور اس علاقہ کو زمین کے اندر دھنسا کر رکھ دیا گیا۔ گویا اس عذاب الٰہی کی ابتدا آگ اور پتھر کی بارش سے ہوئی انتہا زمین کے اندر دھنس جانے پر۔

وجود و شہود پر شاہ ولی اللہ کی تطبیق

شیما ربانی
(لیکچرار پی سی ایچ ایس گورنمنٹ کالج برائے خواتین، کراچی)

جنوبی ایشیا کے مسلمانوں میں گذشتہ صدی کے دوران یکجہتی کے جو جذبے پروان چڑھے انہیں پیدا کرنے میں شاہ ولی اللہ کی کاوشیں ناقابل فراموش رہی ہیں۔ ان کاوشوں کا دارومدار ایک ایسی درمیانی راہ کی تلاش پر تھا جو مسلمان قوم کے منتشر اور متصادم گروہوں کے درمیان یگانگت کی بنیاد بن سکے۔ شاہ ولی اللہ کا ترکیبی رویہ جس کے ذریعے انہوں نے ملت اسلامیہ کے مختلف گروہوں میں اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کی۔ یہ رویہ ان کی مابعد الطبعیات سے ظاہر ہوا ہے۔ جنوبی ایشیا کے مسلمانوں میں دو مابعد الطبعیاتی رویے مقبول رہے تھے۔

پہلا وحدت الوجودی رویہ تھا جس نے آخر کار مذہبی امتیازات کو ہی ختم کرنے کی ترغیب دی تھی۔ دوسرا رویہ اس کے برعکس تھا، یہ وحدت الشہودی رویہ تھا جس نے تقسیم کو ہی نصب العین بنایا اور بالآخر اسلام کے مختلف گروہوں میں بھی اتحاد اور ابلاغ کے تمام وسیلے ختم کر دیے۔(۱)

اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ ایسی ترکیبی مابعد الطبعیات سامنے آئے جو دونوں انتہاؤں سے گریز کرتے ہوئے اعتدال کی راہ تلاش کرے، تاکہ ایک ایسی فکری بنیاد مرتب ہو سکے جس پر مسلمانوں کے مختلف گروہوں کے مابین اتحاد و ابلاغ کے تعلق از سر نو استوار ہو سکیں۔ شاہ ولی اللہ کا نقطۂ نظر بھی یہ تھا کہ تخلیقی روحانی اور ثقافتی زندگی کے لئے وجودی اور شہودی دونوں رجحانات کی ضرورت ہے۔ یہ دونوں رجحانات بیک وقت مثبت کردار ادا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں لہٰذا ان میں تصادم کو ختم کر کے ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی جانی چاہئے۔ شاہ ولی اللہ نے 'انفاس العارفین' میں اپنے والد شاہ عبدالرحیم کے جو حالات بیان کئے ہیں ان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ شاہ عبدالرحیم ان دونوں رویوں میں ترکیب کی ضرورت کا احساس کر چکے تھے، لہٰذا شاہ ولی اللہ سمجھتے تھے کہ وجودی اور شہودی فلسفوں میں ہم

آہنگی اور ترکیب پیدا کیے بغیر ایسے کائناتی نقطۂ نظر کی تشکیل مشکل ہے جو جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے گروہوں میں اختلافات کو ختم کر کے ان میں اتحاد پیدا کر سکے۔

وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے فلسفوں میں ترکیب پیدا کرنے کی غرض سے شاہ ولی اللہ نے تصور پیش کیا کہ ان فلسفوں میں پایا جانے والا اختلاف ظاہری ہے، واقعتاً ان کے درمیان کوئی قابل ذکر فرق موجود نہیں۔(۲)

انہوں نے اپنے اس تصور کی وضاحت ایک طویل خط میں کی جو آفندی اسماعیل بن اللہ کے نام لکھا گیا تھا۔ جس کا مندرجہ ذیل اقتباس 'مکتوب مدنی' سے لیا گیا ہے۔

"تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود دو لفظ ہیں، جن کا اطلاق دراصل مختلف معانی پر ہوتا ہے۔ کبھی کبھی ان کا استعمال 'سیر الی اللہ' کے مباحث پر ہوتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں سالک وحدت الوجود کے مقام پر فائز ہے اور فلاں وحدت الشہود پر جاگزیں ہے۔ اس سیاق میں وحدت الوجود کے معنی ایسے شخص کے ہوں گے جو حقیقت جامعہ کی تلاش و عرفان میں گم اور مستغرق ہے۔ استغراق کا یہ وہ مقام ہے، جہاں یہ علم رنگ و بو اپنے تمام امتیازات کے ساتھ فنا کے گھاٹ اتر جاتا ہے اور تفرقہ و امتیاز کے وہ سارے احکام ساقط ہو جاتے ہیں کہ جن پر خیر و شر کی معرفت کا دارومدار ہے اور شرع و عقل جس کی پوری پوری نشاندہی کرتی ہے۔ سیر و سلوک کا یہ مقام محض عارضی ہوتا ہے۔ سالک چند لمحے یہاں ٹھہرتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کی دستگیری و توفیق اس کو جلد ہی اس مقام سے نکال کر لے جاتی ہے۔

اس طرح وحدت الشہود کے معانی اس سیاق میں یوں ہوں گے کہ سالک ایسے مقام پر متمکن ہے جہاں احکام جمع و تفرقہ کے ذائقے باہم طے ہوتے ہیں۔ یعنی سالک اس حقیقت کو پا گیا ہے کہ اشیاء میں وحدت ہی نظر آتی ہے۔"(۳)

شاہ ولی اللہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ابن عربی سے خالق و مخلوق کی عینیت کا تصور منسوب کرنا غلط ہے۔ ابن عربی کا نقطۂ نظر محض یہ ہے کہ مخلوق کا صدور وجود باری تعالیٰ ہی سے ممکن ہے۔ خالق و مخلوق کے باہمی رشتے کی ماہیت کے مسئلے کو شاہ ولی اللہ نے تجلی کے تصور کے حوالے سے حل کیا ہے۔ یہ تجلی جس شے پر اثر انداز ہوتی ہے اسے اپنے رنگ میں رنگ لیتی ہے۔ اس صورتحال کی فلسفیانہ توجیہہ وحدت الوجود کے تصور سے کی جاتی ہے جو بجائے خود مکمل ہے تاہم اگر ماہیت اشیاء کو اس سے ہٹ کر دیکھا جائے تو دوئی واضح طور پر نظر آتی ہے اور وحدت الشہود کے تصور کی صداقت کو تسلیم کیے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔ اس طرح یہ

کہا جا سکتا ہے کہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کائنات کو دیکھنے کے دو مختلف نقطہ نظر ہیں۔ دونوں میں سے کسی ایک کو صادق یا کاذب قرار نہیں دیا جا سکتا لہٰذا یہ ممکن ہے کہ بیک وقت دونوں کو قبول کر لیا جائے۔ (۴)

اٹھارہویں صدی کے جنوبی ایشیا میں یہ تصور پیش کرنا آسان نہ تھا کیونکہ وجودی اور شہودی رجحانات نے نہ صرف صوفیاء بلکہ بعض دوسرے گروہوں کو بھی ایک دوسرے کے خلاف صف آرا کیا ہوا تھا، مگر شاہ ولی اللہ نے پورے خلوص سے اس جانب توجہ دلائی تاکہ اعتدال پسند رویے کا جواز تلاش کیا جا سکے۔ نئے مابعد الطبعیاتی رویے کے حوالے سے شاہ ولی اللہ ہند کے مسلمانوں کے مختلف گروہوں کے درمیان اتحاد و یکجہتی کو فروغ دینے کی جانب متوجہ ہوئے۔ ظاہر ہے کہ اس ترکیبی نقطۂ نظر کا براہ راست اثر صوفیاء پر پڑا اور ان کے خانقاہیں وجودی اور شہودی فلسفوں کے بارے میں بحث مباحثہ کا مرکز بنی ہوئی تھیں اور وہ خود بھی دو طبقوں میں تقسیم تھے۔ اب ان کے درمیان رابطے اور ابلاغ کی داغ بیل ڈال دی گئی اور ان کے سنجیدہ افراد یہ سوچنے پر مجبور ہوئے کہ ایسی راہیں تلاش کی جائیں جو کہ اہل تصوف کے مختلف گروہوں میں اتحاد کی ضامن بن سکیں۔

مابعد الطبعیاتی رویوں میں اختلاف کے علاوہ صوفیاء میں دیگر اختلافات بھی موجود تھے۔ جنوبی ایشیا میں تصوف کے چار بڑے گروہ تھے۔ چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ۔ ان سے وابستہ افراد اپنے علاوہ دوسروں کو گمراہ تصور کرتے تھے۔ چار بڑے گروہوں کے علاوہ کئی ثانوی گروہ بھی موجود تھے جو اپنی اپنی جگہ یہی دعویٰ کرتے تھے۔ شاہ ولی اللہ نے انہیں ایک مرکز پر اکٹھا کرنے کی خاطر تاریخ کو استعمال کیا اور تصوف کی طویل تاریخ کا تجزیہ کرتے ہوئے انہوں نے ایسے مقام تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی جہاں اہل تصوف کے درمیان اختلافات موجود نہیں تھے۔ صوفیانہ روایات کے تجزیے سے انہوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ طریقت کی اصل ایک ہے۔ لہٰذا تصوف کے تمام سلسلوں کی جز مشترک ہے، تاہم تاریخی عمل کے دوران میں اہل طریق کی راہیں الگ الگ ہوگئی ہیں۔ (۵)

صوفیانہ اختلافات کے تاریخی پس منظر کا ذکر کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ نے تاریخ تصوف کو چار بڑے مرحلوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ پہلے مرحلے کا آغاز دور اول کے مسلمانوں سے ہوا رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے زمانے میں چند نسلوں تک اہل کمال کی زیادہ توجہ شریعت کے ظاہری اعمال پر مرکوز رہی، کیونکہ ان بزرگوں کو باطنی زندگی کے جملہ مراتب شرعی احکام کی پابندی سے حاصل ہو جاتے تھے۔

۲۔ تصوف کے دوسرے مرحلے کا آغاز حضرت جنید بغدادیؒ کے زمانے سے ہوا۔ اس دور میں صوفیاء نے جزا و سزا کے خیال سے ماوراء ہو کر خدا کی محبت کے حوالے سے عبادت کو مقصد حیات بنایا۔

۳۔ تیسرے مرحلے کا آغاز شیخ ابو سعید کے زمانے سے ہوا جب اہل تصوف نے باطنی اعمال و احوال سے گزر کر 'جذب' تک رسائی حاصل کی اور اس طرح ان کے لئے توحید کی نسبت کا راستہ کھل گیا۔ ان بزرگوں نے توحید وجودی اور توحید شہودی میں حد امتیاز قائم نہیں کی تھی، ان کا مقصد حیات تھا کہ اپنی ذات کو ذات باری تعالیٰ میں گم کر کے اس مقام کی کیفیات سے لطف اندوز ہوں۔

۴۔ تصوف کا چوتھا دور ابن عربی سے شروع ہوا۔ اس دور میں اہل تصوف نے کیفیات و احوال کی منزل سے بالاتر ہو کر حقائق تصوف کے بارے میں بحث کا آغاز کیا، ان بزرگوں نے ظہور وجود کے مدارج اور تنزلات دریافت کئے اور اس امر کی تحقیق کی کہ واجب الوجود سے اولین طور پر کس شے کا صدور ہوا اور یہ صدور کس طرح عمل میں آیا وغیرہ۔ (۶)

اس طرح تاریخ تصوف کا تجزیہ کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ اس نتیجے پر پہنچے کہ:

'تصوف کے ان چاروں ادوار میں جو بھی اہل کمال بزرگ گزرے ہیں گو وہ اپنے ظاہری اعمال و احوال میں الگ الگ نظر آتے ہیں لیکن جہاں تک ان کی اصل کا تعلق ہے میرے نزدیک وہ سب کے سب ایک ہیں۔'

اس طرح صوفیانہ مکاتب فکر میں مشترک بنیاد تلاش کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ نے شریعت اور طریقت میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ ان کے نزدیک راہ حق کے طالب کا کمال یہ ہے کہ اس کی ذات میں طریقت اور شریعت دونوں باہم مل جائیں چونکہ دونوں کی راہیں متصادم نہیں لہٰذا ان میں ہم آہنگی اور توازن پیدا کرنا بھی دشوار نہیں یہی ہم آہنگی صوفی، عالم کے اتحاد کا وسیلہ بنتی ہے اور اس کا اصل مقصد تزکیۂ نفس اور اشاعت دین ہے، جو کہ اعلیٰ و ارفع مقصد ہے۔

حوالہ جات

۱۔ قاضی جاوید، ہندی مسلم تہذیب، تخلیقات ۱۱ ٹیمپل روڈ، لاہور ۱۹۹۵ء، ص ۲۲۸۔

۲۔ قاضی جاوید، ہندی مسلم تہذیب، تخلیقات ۱۱ ٹیمپل روڈ، لاہور ۱۹۹۵ء، ص ۲۲۹۔

۳۔ شاہ ولی اللہ، مکتوب مدنی اردو ترجمہ از مولانا محمد حنیف ندوی، ص ۱۰۶۔

۴۔ قاضی جاوید، ہندی مسلم تہذیب، تخلیقات، ٹمپل روڈ، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۲۳۳

۵۔ شاہ ولی اللہ، ہمعات اردو ترجمہ از محمد سرور، پروفیسر، ص ۵۳

۶۔ قاضی جاوید، ہندی مسلم تہذیب، تخلیقات، ٹمپل روڈ، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۲۳۳

۷۔ شاہ ولی اللہ، ہمعات اردو ترجمہ از محمد سرور، پروفیسر، ص ۵۱

اشاریہ سہ ماہی التفسیر، کراچی

شمارہ ۱ تا ۱۲ ۔ (جنوری ۲۰۰۵ تا دسمبر ۲۰۰۷ء)

مرتب۔ محمد سہیل شفیق

لیکچرر، شعبہ اسلامی تاریخ، جامعہ کراچی

رنگِ خیال

آہ! قاضی ایوب	ج ۱ش ۲ص ۲
بلا عنوان	ج ۱ش ۱ص ۲
بلا عنوان	ج ۲ش ۱ص ۲
انٹر فیتھ ڈائیلاگ۔ ایک قرآنی تقاضا	ج ۳ش ۹ص ۲
توہین آمیز خاکے۔ چند گزارشات	ج ۲ش ۲ص ۲۵۴
پروفیسر محمد یاسین کا انگریزی ترجمہ قرآن	ج ۳ش ۱۲ص ۳۴۳
دینی مدارس اور عصر حاضر کے چیلنجز	ج ۱ش ۲ص ۳۴۳
سہ ماہی اجتہاد۔ اجتہادی روایت کا ترجمان	ج ۳ش ۱۱ص ۲۴۳
عصر حاضر میں قرآنی خدمات کی ایک جھلک	ج ۳ش ۱۰ص ۲۴۳
عقیدہ وعمل کا باہمی تلازم	ج ۲ش ۸ص ۱
فرقہ واریت کا خاتمہ اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی نیز دہشت گردی کا خاتمہ	ج ۱ش ۲ص ۲
فرقہ واریت کے بنیادی اسباب	ج ۲ش ۳ص ۱
قرآنی حلقوں کا قیام وقت کی اہم ضرورت ہے	ج ۱ش ۴ص ۲۰۵

مقالات (اشاریہ بلحاظ مضامین)

(الف)

آزادیٔ نسواں کا مغربی تصور / مریم ناز — ج۲ش۸ص۷۸تا۸۵

آسمان کے برجوں کا بیان اور رجم شیاطین کی تحقیق / سرسید احمد خان — ج۲ش۱ص۷۳تا۷۸

آیات عجاب کے چند تفسیری پہلو / ڈاکٹر محفوظ احمد — ج۳ش۱۱ص۵۷تا۷۹

احکام شرعیہ کی تعداد و تعریفات اور مثالیں / علامہ غلام رسول سعیدی — ج۱ش۴ص۱۲تا۳۰

اردو ترجمہ حاشیہ تیسیر القرآن / لیفٹنٹ کرنل محمد اعظم — ج۱ش۱ص۱۱۲تا۱۱۸

اسلام اور دہشت گردی عصر حاضر کے تناظر میں / شاکر حسین خان — ج۱ش۴ص۹۳تا۱۰۳

اسلام اینڈ کرنٹ اکنامک ایشوز / ریاض الرحمن — ج۳ش۱۱ص۱۲۰تا۱۲۸

اسلامی قانون کے ارتقاء میں اجتہاد کا کردار / ڈاکٹر رشید جالندھری — ج۲ش۸ص۱۹تا۳۳

اسلام کا تاسیسی اصول "تدریج" اور ملت کی حیات نو / عارف خان ساقی — ج۲ش۴ص۲۱تا۲۷

اسلام کی عالمگیری اور تصور جہاد / ڈاکٹر شکیل اوج — ج۱ش۱ص۳تا۱۸

اسلامی نظام خلافت کے امتیازات / محمد اعظم سعیدی — ج۱ش۱ص۱۹تا۳۱

اصول ترجمہ و تفسیر / مولانا ابوالکلام آزاد — ج۲ش۹ص۲۲تا۳۱

اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی / ڈاکٹر محمد مظہر بقاء — ج۱ش۱ص۵۲تا۹۲

اعجاز قرآن / محمد سہیل شفیق — ج۱ش۱ص۱۲۱تا۱۲۸

الامی کے معنی کی تحقیق اور اس کے اطلاقات / ڈاکٹر شکیل اوج — ج۱ش۴ص۴۷تا۸۳

الرسول النبی الامی / سید اختر عالم — ج۳ش۹ص۶۹تا۸۳

الرسول النبی الامی کا معنی مرادی / عارف خان ساقی — ج۱ش۴ص۴۷تا۷۷

ان شاء اللہ / سرسید احمد خان — ج۳ش۱۰ص۵۹تا۹۱

انعامی بانڈز کا شرعی حکم / علامہ غلام رسول سعیدی — ج۱ش۱ص۶۳تا۷۸

اہل ہند پر صابئین کا اطلاق / اعظم سعیدی — ج۳ش۱۰ص۲۹تا۳۶

ایچ آئی وی ایڈز اور ہماری نوجوان نسل / ڈاکٹر تاج محمد — ج۲ش۱ص۱۰۸تا۱۱۷

ایڈز۔ قرآن کریم کی روشنی میں / ڈاکٹر شکیل اوج — ج۲ش۴ص۳تا۱۰

ایڈز۔ عظیم انسانی المیہ / عارف خان ساقی — ج۲ش۱ص۷۹تا۱۰۰

(ب)

بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے آیات و علامات الٰہیہ / محمد اعظم سعیدی — ج۳ش۹ص۸۸تا۹۱

بیمار قوم اور اس کا علاج / سید محمد ہاشم فاضل شمسی — ج۱ش۴ص۲۱تا۳۱

(ت)

تحویل قبلہ / محمد اعظم سعیدی — ج۲ش۸ص۹۳تا۱۰۷

تصوف۔ تلاش حسن کی ہمہ گیر تحریک / ڈاکٹر شکیل اوج — ج۲ش۴ص۶تا۲۰

تصوف کی رو سے فقیر اور فقیری کا مفہوم / لیفٹنٹ کرنل محمد اعظم — ج۱ش۴ص۱۰۶تا۱۱۲

تعدد ازدواج کے قرآنی دلائل / ڈاکٹر شکیل اوج — ج۲ش۴ص۳۳تا۴۱

تعلیمات نبوی ﷺ اور اصلاح معیشت / مریم ناز — ج۲ش۴ص۸۰تا۹۳

تعلیم کا مسئلہ اور اس کا حل / ڈاکٹر برہان الدین فاروقی — ج۱ش۴ص۵۰تا۷۷

تفسیر اور اس کے مآخذ کے مطلوبات کے معانی
میں باہمی اشتراکات / محمد صادق — ج۱ش۴ص۳۰تا۴۸

تقویمات اور قدرتی مظاہر / شاہد قریشی — ج۲ش۱ص۱۰۱تا۱۰۷

تلک الغرانیق العلیٰ کی تحقیق / علامہ غلام رسول سعیدی — ج۳ش۹ص۳۵تا۴۸

(ج)

جاہلیت کی حقیقت، عہد جاہلی کے ادبی آثار کی روشنی میں / عارف خان ساقی — ج۳ش۱۲ص۳۱تا۹۵

جدید مسائل اور مقاصد شریعت / ڈاکٹر تاج محمد — ج۲ش۴ص۳۸تا۹۲

(چ)

چارگانہ شعری ادبیت سے قرآن مجید پاک ہے / محمد اعظم سعیدی — ج۱ش۴ص۱۵تا۲۳

(ح)

حج اکبر کا معنی و مفہوم / ڈاکٹر شکیل اوج — ج۲ش۴ص۸۲تا۸۷

حدود آرڈیننس۔ حذف قذف / ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی — ج۲ش۳ص۳۲تا۹۰

حدود قوانین / جسٹس ایس اے ربانی — ج۳ش۹ص۲۰تا۴۳

حرمت ربا کی علت / شیخ محمود احمد — ج۳ش۱۰ص۴۷تا۵۵

حساب تقویم کی رو سے سن ہجری کے دن اور تاریخ کا تعین / عبدالرشید نعمانی — ج۱ش۲ص۶۳تا۸۳

حضور ﷺ پر جادو کیے جانے کی حقیقت / امین احسن اصلاحی — ج۲ش۸ص۳۵تا۴۷

حق حضانت۔ ایک قانونی ومعاشرتی مسئلہ / ڈاکٹر شکیل اوج — ج۱ش۲ص۵تا۱۳

حقیقت ربا اور اس کی اخلاقی نوعیت / — ج۳ش۱۱ص۲۹تا۳۳

حکومت اسلامی قرآن وسنت کی روشنی میں / پروفیسر غلام مہدی — ج۲ش۸ص۶۹تا۹۴

حیات بعد الممات۔ قدرت الٰہیہ کی ظاہری علامات / محمد اعظم سعیدی — ج۲ش۳ص۹۳تا۱۰۰

(خ)

خدا اور رسول سے متعلق سرسید کے عقائد / سرسید احمد خان — ج۲ش۸ص۱۰۸تا۱۰۹

خلع اور فسخ نکاح میں عدالت کا کردار / ڈاکٹر شکیل اوج — ج۳ش۱۱ص۵تا۱۳

خواتین کی معاشی وسیاسی مصروفیات کے مضر پہلو / مریم ناز — ج۳ش۹ص۹۴تا۱۱۳

خودکشی کا افسوسناک پہلو / پروفیسر مفتی منیب الرحمن — ج۱ش۳ص۱۱۲تا۱۱۸

(د)

دعوت فکر ونظر / جسٹس ایس اے ربانی — ج۳ش۱۰ص۱۰۸تا۱۱۳

دین میں تنگی نہ ہونے کی متعدد تفاسیر / علامہ غلام رسول سعیدی — ج۱ش۳ص۳۸تا۴۵

(ر)

ربا کی حقیقت اور اس کے اطلاقات / علامہ غلام رسول سعیدی — ج۲ش۸ص۳۲تا۴۳

روح اجتماع اور جذبہ تعاون / شاہ محمد جعفر ندوی پھلواری — ج۱ش۴ص۹۹تا۱۰۹

(ز)

زوج اور صوت۔ دو متقابل اصطلاحیں / ڈاکٹر شکیل اوج — ج۲ش۸ص۱۱تا۱۸

(س)

سیدنا داؤد علیہ السلام کی سرگزشت / عبدالکریم اثری — ج۳ش۱۲ص۶۹تا۸۶

سیدنا نوح علیہ السلام کی مختصر سرگزشت / عبدالکریم اثری — ج۳ش۱۱ص۹۹تا۱۱۲

سیدنا یونس علیہ السلام کی مختصر سرگزشت / عبدالکریم اثری — ج۳ش۱۰ص۸۸تا۱۰۷

سیرت طیبہ کی روشنی میں ایک روشن خیال اور اعتدال پسند
معاشرے کی تشکیل وضرورت / ڈاکٹر شکیل اوج — ج۱ش۲ص۳تا۱۹

(ش)

شلوار اور پتلون کے پائنچوں کا شرعی حکم۔ ایک تحقیق / عارف خان ساقی — ج۱ش۲ص۷۵تا۹۸
ج۱ش۳ص۸۳تا۱۰۵

(ع)

عذاب الٰہی اور فطری حوادث کے مابین فرق وامتیاز / ڈاکٹر شکیل اوج — ج۲ش۱ص۳تا۲۴

عربی زبان کا فلسفہ لغت / ابوالجلال ندوی — ج۱ش۱ص۳۲تا۵۱

علامہ خازن اور ان کی تفسیر۔ ایک تعارف / مفتی محمد اسماعیل نورانی — ج۳ش۱۲ص۳۱تا۴۷

علامہ سعیدی اور تبیان القرآن / ڈاکٹر شکیل اوج — ج۲ش۴ص۱۰۲تا۱۰۵

علما کا طرز استدلال / ڈاکٹر منظور احمد — ج۳ش۱۲ص۱۵تا۲۰

علم نجوم کے اصول ومبادی / علامہ غلام رسول سعیدی — ج۳ش۱۰ص۶۴تا۷۶

عورتوں کا کھلے چہروں کے ساتھ بیرون خانہ زندگی میں کردار / ڈاکٹر شکیل اوج — ج۳ش۹ص۳تا۱۹

عورتوں کے مسائل اور ان کا حل / ڈاکٹر شکیل اوج — ج۲ش۴ص۱۱تا۳۲

عہد جاہلیت میں عرب کا سیاسی نظام / فرخ سہیل — ج۱ش۱ص۷۹تا۹۳

عید کا تاریخی پس منظر، عظمت اور فلسفہ / پروفیسر مفتی منیب الرحمن — ج۱ش۴ص۲۰۴تا۲۰۹

(غ)

غیر حنفی مذہب پر فتویٰ دینے کی تحقیق / علامہ غلام رسول سعیدی — ج۳ش۱۱ص۲۰تا۳۱

(ف)

فقہ کی تفہیم میں سماج کی اہمیت۔ایک مطالعہ / شیما ربانی — ج۲،ش۲،ص۶۳تا۷۷

(ق)

قرآن اور تمثیلات / شاہ محمد جعفر ندوی پھلواری — ج۲،ش۱،ص۴۳تا۵۹

قرآن حکیم میں خرقِ عادت اسلوب و تعجب و ادبیت / محمد اعظم سعیدی — ج۱،ش۲،ص۲۹تا۴۰

قرآن کا تصور آزمائش و ابتلاء / اعجاز احمد — ج۱،ش۳،ص۸۲تا۹۴

قرآن کریم کی اعجازی خصوصیات / مولانا رحمت اللہ کیرانوی — ج۱،ش۳،ص۲۳تا۳۷

قرآن کی جامع اور مستند علمی تفسیر کی ضرورت / ڈاکٹر ریحانہ فردوس — ج۳،ش۱۰،ص۱۸تا۴۵

قرآن مجید اور احادیث سے "پرہیز" کے ثبوت پر دلائل / غلام رسول سعیدی — ج۱،ش۲،ص۱۰۷تا۱۱۱

قرآن مجید میں امثال کا استعمال / شاکر حسین خان — ج۱،ش۱،ص۱۱۲تا۱۲۰

قرآن و سنت کی عظمت و اتباع نہج البلاغہ کی روشنی میں / ڈاکٹر شکیل اوج — ج۲،ش۸،ص۶۷تا۷۷

قرآنی صنائع و بدائع / ڈاکٹر غلام مصطفٰے خان — ج۳،ش۱۲،ص۲۸تا۳۴

قانون اسلامی کی خصوصیت اور ابدیت / ڈاکٹر تاج محمد — ج۳،ش۳،ص۶۱تا۷۹

قبلہ اول خانہ کعبہ یا بیت المقدس / شاکر حسین خان — ج۱،ش۲،ص۳۱تا۳۹

قصاص و دیت / سید زین العابدین — ج۲،ش۲،ص۷۸تا۸۷

قرآن مجید کے آٹھ منتخب اردو تراجم کا تقابلی جائزہ / محمد اعظم سعیدی — ج۳،ش۱۱،ص۸۰تا۹۵

(ک)

کرایہ بیوت مکہ کی شرعی حیثیت / مولانا محمد طاسین — ج۲،ش۲،ص۸۸تا۱۰۱

کرپشن۔ وجوہ اور علاج / جسٹس ایس اے ربانی — ج۳،ش۱۱،ص۳۲تا۳۵

کفار سے موالات / سر سید احمد خان — ج۳،ش۱۱،ص۱۱۳تا۱۱۵

کیا جہیز دینا سنت ہے؟ / علامہ جعفر شاہ پھلواری — ج۱،ش۱،ص۹۵تا۱۰۱

کیا رسول اللہ ﷺ نے اجرت پر بکریاں چرائیں؟ / مفتی محمد خان قادری — ج۱،ش۱،ص۱۰۲تا۱۱۱

کیا مسیار میرج جائز ہے؟ / ڈاکٹر شکیل اوج — ج۳،ش۹،ص۲۲تا۳۳

(ل)

لفظ خدا بھی تسلیم مسلم ہے / محمد عبدالرحمن صدیقی — ج۳،ش۱۲،ص۲۲تا۳۰

(م)

محصنین اہل کتاب سے مسلم عورتوں کا نکاح / ڈاکٹر شکیل اوج — ج۳،ش۱۲،ص۵۵تا۶۱

مسلمانوں پر یہودی اثرات کے کچھ شواہد / احسان قریشی — ج۳،ش۱۰،ص۷۷تا۸۷

مسلم اور غیر مسلم افراد اور حکومتوں کے مابین تعلقات / ڈاکٹر شکیل اوج — ج۱،ش۳،ص۳تا۱۳

مسلم مفکرین کو جدید افکار کا چیلنج / ڈاکٹر ریحانہ فردوس — ج۲،ش۸،ص۳تا۱۰

مطالعہ قرآن میں مکی و مدنی آیات کے علم کی اہمیت / ڈاکٹر ریحانہ فردوس — ج۳،ش۱۱،ص۳۳تا۵۶

مغفرتِ ذنب کا معنی و مفہوم / ڈاکٹر شکیل اوج — ج۳،ش۱۰،ص۷تا۱۷

منہاج تحقیق (نوآموز تحقیق کاروں کے لیے) / ڈاکٹر شکیل اوج — ج۳،ش۱۲،ص۸۷تا۱۰۳

(ن)

نادان دل کو مرگ کا اب تک یقین نہیں / جعفر ندوی پھلواری — ج۲،ش۸،ص۹۳تا۱۰۷

نام۔ جاہلی تمدن اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں / ڈاکٹر عبدالشہید نعمانی — ج۱،ش۱،ص۳۱تا۴۱

نبی ﷺ پر جادو کیے جانے کی حقیقت / علامہ غلام رسول سعیدی — ج۲،ش۱،ص۶۱تا۷۴

نبی اکرم ﷺ پر جادو کیے جانے کی حقیقت / پروفیسر محمد اکرم ورک — ج۲،ش۸،ص۳۸تا۹۴

نبی امی ﷺ۔ قرآن کی روشنی میں / احسن عمادی — ج۳،ش۹،ص۳۹تا۹۸

نیل پالش کے ساتھ وضو کے جواز کا مسئلہ / ڈاکٹر شکیل اوج — ج۱،ش۳،ص۹تا۲۴

(ہ)

ہدایت و ضلالت میں انتخاب کی آزادی / ڈاکٹر شکیل اوج — ج۲،ش۳،ص۱۱۳تا۱۱۶

(ی)

یہود کا مذہبی ادب قرآن کی نظر میں / سید عامر علی — ج۲،ش۳،ص۱۰۱تا۱۱۲

مقالات (اشاریہ بلحاظ مصنفین)

(الف)

ابوالجلال ندوی / عربی زبان کا فلسفۂ لغت — ج۱ش۱ص۳۲تا۵۱

ابوالکلام آزاد / اصول ترجمہ تفسیر — ج۲ش۹ص۲۳تا۳۱

اختر عالم، سید / الرسول النبی الامی — ج۳ش۹ص۶۹تا۸۳

اسماعیل نورانی، مفتی / علامہ خازن اور ان کی تفسیر۔ ایک تعارف — ج۳ش۱۲ص۳۱تا۴۷

اعجاز احمد / قرآن کا تصور آزمائش و پیدائش — ج۱ش۳ص۸۲تا۹۲

اعظم سعیدی

اسلامی نظام خلافت کے امتیازات — ج۱ش۱ص۱۹تا۳۰

قرآن حکیم میں خرق عادت اسلوب و تعجب و ادبیت — ج۱ش۲ص۲۹تا۳۰

چہارگانہ شعری ادبیت سے قرآن مجید پاک ہے — ج۱ش۳ص۱۵تا۲۳

حیات بعد الممات۔ قدرت الٰہیہ کی ظاہری علامات — ج۲ش۳ص۹۲تا۱۰۰

تحویل قبلہ — ج۲ش۸ص۶۳تا۷۱

بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے آیات و علامات الٰہیہ — ج۳ش۹ص۸۸تا۹۱

اہل ہند پر صابئین کا اطلاق — ج۳ش۱۰ص۲۹تا۳۶

قرآن مجید کے آٹھ منتخب اردو تراجم کا تقابلی جائزہ — ج۳ش۱۱ص۸۰تا۹۵

امین احسن اصلاحی / حضور ﷺ پر جادو کیے جانے کی حقیقت — ج۳ش۸ص۳۵تا۴۷

ایس اے رحمانی، جسٹس

حدود قوانین — ج۳ش۹ص۲۰تا۲۳

دعوت فکر و نظر — ج۳ش۱۰ص۱۰۸تا۱۱۳

کرپشن۔ وجوہ اور علاج — ج۳ش۱۱ص۳۲تا۳۵

(ب)

برہان الدین فاروقی، ڈاکٹر / تعلیم کا مسئلہ اور اس کا حل — ج۱ش۲ص۵۰تا۶۷

(ت)

تاج محمد، ڈاکٹر / ایچ آئی وی۔ ایڈز اور ہماری نوجوان نسل — ج۲ش۱ص۱۰۸تا۱۱۷

جدید مسائل اور مقاصد شریعت — ج۲ش۲ص۳۸تا۹۲

قانون اسلامی کی خصوصیت اور ابدیت — ج۲ش۳ص۶۱تا۷۹

تمنا عمادی / امی قرآن کی روشنی میں — ج۳ش۹ص۳۹تا۴۸

(ج)

جعفر ندوی پھلواری، شاہ

کیا جہیز دینا سنت ہے؟ — ج۱ش۱ص۹۵تا۱۰۱

روح اجتماع اور جذبۂ تعاون — ج۱ش۲ص۹۹تا۱۰۶

قرآن اور تمثیلات — ج۲ش۱ص۳۳تا۵۹

نادان دل کو مرگ کا اب تک یقین نہیں — ج۲ش۸ص۹۳تا۱۰۷

(ر)

رحمت اللہ کیرانوی، مولانا / قرآن کریم کی اعجازی خصوصیات — ج۱ش۳ص۲۳تا۳۷

رشید احمد جالندھری، ڈاکٹر / اسلامی قانون کے ارتقاء میں اجتہاد کا کردار — ج۲ش۸ص۱۹تا۳۳

ریاض الرحمٰن / اسلام اینڈ کرنٹ اکنامک ایشوز — ج۳ش۱۱ص۱۲۰تا۱۲۸

ریحانہ فردوس، ڈاکٹر

مسلم مفکرین کو جدید افکار کا چیلنج — ج۲ش۸ص۳تا۱۰

قرآن کی جامع اور متفق علیہ تفسیر کی ضرورت — ج۳ش۱۰ص۱۸تا۴۵

مطالعہ قرآن میں مکی و مدنی آیات کے علم کی اہمیت — ج۳ش۱۱ص۳۳تا۵۹

(ز)

زین العابدین، سید / القصاص و دیت — ج۲ش۲ص۷۸تا۸۷

(س)

سرسید احمد خان

آسمان کے برجوں کا بیان اور رجم شیاطین کی تحقیق — ج۲،ش۱،ص۷۳تا۸۷

خدا اور رسول سے متعلق سرسید کے عقائد — ج۲،ش۸،ص۱۰۸تا۱۰۹

ان شاء اللہ — ج۳،ش۱۰،ص۵۶تا۹۱

کفار سے سوالات — ج۳،ش۱۱،ص۱۱۳تا۱۱۵

(ش)

شاکر حسین خان

قرآن مجید میں امثال کا استعمال — ج۱،ش۱،ص۱۱۲تا۱۲۰

قبلہ اول خانہ کعبہ یا بیت المقدس — ج۱،ش۲،ص۳۱تا۴۹

اسلام اور دہشت گردی عصر حاضر کے تناظر میں — ج۱،ش۲،ص۹۳تا۱۰۳

شاہد قریشی / تقویمات اور قدرتی مظاہر — ج۲،ش۱،ص۱۰۱تا۱۰۷

شکیل اوج، ڈاکٹر

اسلام کی عالمگیری اور تصور جہاد — ج۱،ش۱،ص۳تا۱۸

سیرت طیبہ کی روشنی میں ایک روشن خیال اور اعتدال پسند

معاشرے کی تشکیل و ضرورت — ج۱،ش۲،ص۳تا۱۹

مسلم اور غیر مسلم افراد اور حکومتوں کے مابین تعلقات — ج۱،ش۳،ص۳تا۱۴

نیل پالش کے ساتھ وضو کے جواز کا مسئلہ — ج۱،ش۳،ص۳۹تا۴۲

حق حضانت۔ ایک قانونی و معاشرتی مسئلہ — ج۱،ش۳،ص۵تا۱۳

الامی کے معنی کی تحقیق اور اس کے اطلاقات — ج۱،ش۴،ص۷۷تا۸۳

عذاب الٰہی اور فطری حوادث کے مابین فرق و امتیاز — ج۲،ش۱،ص۳تا۴۴

تصوف۔ تلاش احسن کی ہمہ گیر تحریک — ج۲،ش۲،ص۹تا۲۰

علامہ سعیدی اور تبیان القرآن — ج۲،ش۲،ص۱۰۲تا۱۰۵

ایڈز۔ قرآن کریم کی روشنی میں — ج۲،ش۳،ص۳تا۱۰

عورتوں کے مسائل اور ان کا حل — ج۲،ش۳،ص۱۱تا۲۳

تعدد ازدواج کے قرآنی دلائل — ج۲،ش۳،ص۳۳تا۴۱

حج اکبر کا معنی و مفہوم — ج۲،ش۳،ص۸۳تا۸۷

ہدایت و ضلالت میں انتخاب کی آزادی — ج۲،ش۳،ص۱۱۳تا۱۱۶

زوج اور صوت۔ دو متقابل اصطلاحیں — ج۲،ش۸،ص۱۱تا۱۸

قرآن و سنت کی عظمت و احتجاج نہج البلاغہ کی روشنی میں — ج۲،ش۸،ص۷۳تا۷۷

عورتوں کا کھلے چہروں کے ساتھ بیرون خانہ زندگی میں کردار — ج۳،ش۹،ص۳تا۱۹

کیا مسیار میرج جائز ہے؟ — ج۳،ش۹،ص۳۲تا۳۴

مغفرت ذنب کا معنی و مفہوم — ج۳،ش۱۰،ص۷تا۱۷

خلع اور فسخ نکاح میں عدالت کا کردار — ج۳،ش۱۱،ص۵تا۱۳

حقیقت ربا اور اس کی اطلاقی نوعیت — ج۳،ش۱۱،ص۳۹تا۴۴

محصنین اہل کتاب سے مسلم عورتوں کا نکاح — ج۳،ش۱۲،ص۵تا۱۳

منہاج تحقیق (نوآموز تحقیق کاروں کے لیے) — ج۳،ش۱۲،ص۸۷تا۱۰۲

شیما ربانی / فقہ کی تفہیم میں سماج کی اہمیت۔ ایک مطالعہ — ج۲،ش۲،ص۶۳تا۷۷

(ع)

عارف خان ساقی

شلوار اور پتلون کے پائنچوں کا شرعی حکم۔ ایک تحقیق — ج۱،ش۲،ص۷۵تا۹۸

ج۱،ش۳،ص۸۲تا۱۰۵

الرسول النبی الامی کا معنی مرادی — ج۱،ش۴،ص۳تا۷

ایڈز۔ عظیم انسانی المیہ — ج۲،ش۱،ص۷۸تا۱۰۰